© rasailojaraid.com

رپورٹ: ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

ایک روزہ بین الاقوامی کانفرنس بعنوان:

بین المذاہب اور بین المسالک تناظرات کی نئی تشکیل

مرکز برائے فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند (CEPECAMI) علی گڑھ پلیٹ فارم اور فیوچر اسلام ڈاٹ کام کے اشتراک سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 17 دسمبر 2015 کو ایک یک روزہ عالمی کانفرنس بین المذاہب اور بین المسالک تناظرات کی تشکیل نو کے موضوع پر منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں خصوصی خطاب پیش کرتے ہوئے خصوصی مہمان وزیر خارجہ ملائشیا اور او آئی سی کے خصوصی ایلچی سید حامد البر سابق نے کہا کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان ہر جگہ محاصرہ کی حالت میں ہیں۔ ان کا دین ہی نہیں، ان کی نقل وحرکت، آمد ورفت اور گفتگو سب پر کڑی نظر رکھی جا رہی ہے۔ 9/11 کے واقعہ نے مسلمانوں اور مغرب کے تعلقات پر زبردست منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ ہم ایک بحرانی حالت میں ہیں لہٰذا ہمیں اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ کوششیں کرنی ہوں گی جس کے لیے دوسری قوموں سے زیادہ سے زیادہ مذاکرات کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ انھوں نے مزید کہا کہ قرآن نے قوموں اور قبیلوں کے درمیان بہتر تعلقات پر زور دیا ہے، انسانیت کا احترام سکھایا ہے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم دوسروں سے اپنے آپ کو اعلیٰ اور برتر سمجھتے ہیں، ان سے کچھ سیکھتے نہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم ناکام کیوں ہیں کیونکہ ہم جمود پسند ہیں۔

امریکہ سے آئے ہوئے ورلڈ پارلیمنٹ کے صدر پروفیسر گلن ٹی مارٹن نے اسلام کے تصور خودی پر ایک پُرمغز خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے حاضرین سے سوال کیا کہ آج اسلام فرانس، امریکہ اور ہر جگہ محاصرہ میں کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے تصور خودی کو بھلا دیا گیا ہے۔ انھوں نے 9/11 کے بارے میں اپنی یہ رائے بھی ظاہر کی کہ وہ خود امریکہ کی اندرونی ایجنسیوں کا ہی کیا دھرا تھا۔ اپنے طویل خطبہ میں پروفیسر مارٹن نے پوری دنیا کے امن وسلامتی کے لیے عالمی شہریت کا ایک دستور بھی پیش کیا۔

آریہ سماج کے متحرک رہنما سوامی اگنی ویش نے کہا کہ لا الہ الا اللہ ایک انقلابی کلمہ ہے اور تمام انسانوں کو جوڑنے والا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم سب انسان ایک ہی فیملی ہیں، ہم نقلی بحثوں میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔

پروفیسر راشد شاز نے اپنے مختصر کلمات میں بین المذاہب اور بین المسالک مذاکرات کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ نیز بین المسالک مذاکرات کے لیے نئے زاویوں سے سوچنے پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ امت مسلمہ پر اس کی طویل تاریخ میں چار بڑے بحران آئے ہیں۔ پہلا بحران قتل عثمانؓ سے شروع ہوتا ہے، دوسرا بڑا بحران سقوط بغداد تھا اور تیسرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑا بحران خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ تھا جس کے بعد امت مسلمہ اپنی چھتری سے محروم ہو کر کھلے آسمان کے نیچے آ گئی۔ چوتھا بحرانی دور آج کا ہے جس میں شرق اوسط میں مسلسل خانہ جنگی کی کیفیت ہے جس میں قاتل بھی مسلمان اور مقتول بھی مسلمان۔ آج مسلم دنیا کے مرکزی علاقہ سے اس کا Depopulation ہو رہا ہے۔

مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور عالمی امن کی کوششوں کی تائید کی۔ اس نشست کی نظامت ڈاکٹر محمد زکی کرمانی کر رہے تھے۔ کانفرنس کے اغراض ومقاصد کا تعارف راحیل احمد نے کرایا اور احمد فوزان نے ایسسکو کے چیئرمین عبدالعزیز عثمان التویجری اور دوسری شخصیات کے پیغامات پڑھ کر سنائے۔

اس کانفرنس کا دوسرا سیشن بہت اہم تھا جس کو ٹاؤن ہال سیشن کا نام دیا گیا۔ اس کا انداز راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا تھا۔ تقریباً دو درجن شرکائے بحث ایک گول دائرہ میں بیٹھے تھے، سب کو ان کی جگہ ہی مائک مہیا کیے گئے تھے۔ شرکاء میں علما، پروفیسرز، محققین، سماجی ایکٹوسٹ، رضا کار، صحافی دانشور، نوجوان اسکالر مرد وخواتین سبھی شامل تھے۔ تقریباً 18 شرکاء نے اس بحث میں پورے جوش وخروش اور سنجیدگی سے حصہ لیا۔ اس سیشن کو مرکز برائے فروغ تعلیم وثقافت مسلمانان ہند کے ڈائرکٹر پروفیسر راشد شاز نے چلایا۔ ان کے ساتھ شیعہ تھیولوجی کے صدر پروفیسر علی محمد نقوی، ڈاکٹر زکی کرمانی، سید حامد البرا اور مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی بھی ڈائس پر موجود رہے۔ سوال اصل یہ تھا کہ وہ کیا اسباب وحالات تھے کہ امت افتراق اور انتشار کا شکار ہو گئی اور متبعین محمد ﷺ میں سے کٹ کٹ کر کتنے ہی لوگ قافلہ سے جدا ہو کر نئے فرقے بناتے چلے گئے۔ اور اب کیا کیا جائے کہ امت پھر سے ایک پلیٹ فارم پر آ جائے۔

مولانا محمد میاں قاسمی سنبھلی نے جو ایک بڑے مدرسہ کے مہتمم ہیں، بحث کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ میں قرآن کا مطالعہ موجودہ حالات کے تناظر میں بغیر شان نزول اور تفاسیر کی محتاجی کے کرتا ہوں اور قبلہ، نماز اور حج کی بنیاد پر اہل قبلہ کے لیے وحدت کا ایک پروگرام بنایا جا سکتا ہے، بلکہ حج پوائنٹ پر تو تمام انسانیت کو جمع کیا جا سکتا ہے، کیونکہ قرآن حج، مسجد نبوی اور مسجد حرام کا بار بار ذکر کرتا ہے اور کہیں پر بھی غیر مسلموں کو داخلہ سے نہیں روکتا بلکہ وہ ہر جگہ الناس کا تذکرہ کرتا ہے۔

مسلم یونیورسٹی کے استاد اور ڈبیٹر ڈاکٹر محبّ الحق نے موجودہ دور میں مسلمانوں کے تین رویوں کا ذکر کیا۔

ا۔ مسلم علما کے مذہبی جدال سے تنگ آ کر مذہب بیزاری جس میں سیکولر حلقہ معاشرہ کو Deislamize کرنے کی آواز لگا رہا ہے۔

۲۔ دوسرا رویہ مذہب پسند حضرات کا یہ سامنے آ رہا ہے کہ قرآن پر based اسلام کو اختیار کیا جائے اور مذاہب فقہ اور روایات سے پیچھا چھڑایا جائے۔

۳۔ تیسرا رویہ جمع وتطبیق کا ہے۔ یہ رویہ تیونس کے ماڈل کو، جس کو اسلامی سیکولرزم کہا جا سکتا ہے، اختیار کرنے کی بات کہتا ہے۔ ڈاکٹر محبّ الحق نے بھی اسی تیسری رائے کی وکالت کی۔

دہلی سے آئے جناب نظام الدین صاحب نے کہا کہ قرآن کے ترجموں اور تفاسیر سے قرآن کے بہت سے الفاظ کی پوری وضاحت نہیں ہوتی، اس لیے قرآن فہمی پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔

پروفیسر رحیم اللہ نے کہا کہ اگرچہ مدارس میں 4 فیصد ہی بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ان میں بھی ایک فیصد لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی معاشرہ کی مذہبی قیادت میں آتے ہیں، مگر معاشرہ کے سو فیصد لوگ انھی ایک فیصد کو follow کرتے ہیں جس کی وجہ سے پورا معاشرہ مسلکی جھگڑوں میں جی رہا ہے۔ کوئی بھی آدمی الا ماشاءاللہ اس سے باہر نہیں۔

شعبہ فلسفہ کے صدر پروفیسر محمد مقیم الدین نے وحدت امت کے لیے چند تجاویز دیں:

۱۔ تاریخ کے حوالہ سے جو بات ہوگی، وہ کامیاب نہ ہوگی۔ جو کچھ تاریخ میں ہو گیا، اب اس کو درست نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ سب فرقوں کا تعلق شخصیات سے ہے، اس لیے ان شخصیات پر جارحانہ تنقید یا حملہ نہ کیا جائے۔

۳۔ اب جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ انسان کو انسان بنایا جائے۔ اچھا انسان اور اچھا مسلمان بنانے کے لیے عقل کو معیار بنایا جائے۔ عقل کا استعمال ہو اور ایک Reasonalble اور حقیقت پسند مسلمان بنایا جائے۔

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی نے براہ راست موضوع پر گفتگو کی کہ امت فرقوں اور ٹکڑوں میں کیوں بٹتی چلی گئی۔ اس بات پر غور کرتے ہیں تو اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی نظر آتا ہے کہ امت میں اظہار خیال اور اظہار رائے کی آزادی چھین لی گئی۔ اشخاص اور جماعتوں کی تکفیر کی باقاعدہ مہمیں مذہبی طبقہ نے چلائیں، بات بات پر تکفیر کے فتوے دیے جانے لگے۔ ڈاکٹر غطریف ندوی نے تاریخ سے اور حال کے دنوں سے کئی مثالیں بھی دیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں جو آدمی بھی سلف سے اختلاف کرتا یا لکیر سے ہٹ کر کچھ سوچتا یا تحقیق پیش کرتا ہے، اس پر کفر کے فتوے لگ جاتے ہیں یا اُسے یہودی و صہیونی ایجنٹ قرار دیا جانے لگتا ہے۔ حقیقت پسندی کی اتنی کمی ہے کہ ہمارا ہر لکھنے بولنے والا شروعات ہی مغرب کو گالیوں اور لعن طعن سے کرتا ہے۔ سازشی تھیوری میں ہم جیتے ہیں۔ جب تک ہم اس جمودِ فکر سے باہر نہیں آئیں گے، چیزوں کو حقیقت پسندی سے نہیں دیکھیں گے، تب تک ہمارے مسائل حل نہ ہوں گے۔

پروفیسر گلریز احمد نے کہا کہ موجودہ زمانہ میں multicultural سوچ کو آگے بڑھانا چاہیے اور اسی کو بنیاد بنا کر ہم اپنی بات کو آگے بڑھائیں۔ کرنل سراج الحق نے سوامی اگنی ویش کی تقریر پر چند سوالات اٹھائے۔ پروفیسر صوفی نے بھی وحدت امت کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس اصول کی طرف بلایا کہ ''اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں، دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں''۔

شرکاء سے سوال کیا گیا کہ مسلمان کسے کہیں گے اور امت مسلمہ سے کون خارج سمجھا جائے گا؟ اس سوال کے جواب میں پروفیسر علی محمد نقوی نے کہا کہ مسلمان ہونے کے لیے'' توحید، رسالت و آخرت پر ایمان، ختم نبوت اور قرآن کے محفوظ و غیر محرف ہونے پر ایمان و یقین رکھنا'' یہ اصول ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ فرد یا فرقہ خود کو اسلام کا پیروکار کہتا ہے یا نہیں۔ تمام شرکاء نے اسلام کی اس تعریف کو جامع و مانع قرار دیا۔

اس کے بعد ایک خاتون پروفیسر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم میں بحث کے آداب نہیں۔ ادب اختلاف نہیں، عدم تحمل ہے، برداشت نہیں ہے۔ جو مسالک ہیں، وہی دین بن گئے ہیں۔ اس وجہ سے نئی نسل دین سے برگشتہ ہو رہی ہے۔ سوال یہ بھی ہے کہ دعوت کا نصب العین کیا ہو، اقامتِ دین اور غلبۂ دین یا کچھ اور؟ انہوں نے مشورہ دیا کہ ایک ایسی جامعہ بنائی جائے جو Neutral ہو اور صرف اسلام کو Represent کرے۔

بزرگ دانشور جناب عابد رضا بیدار نے وحدت امت پر گفتگو کرتے ہوئے رائے دی کہ حدیثوں کی بجائے قرآن کو بنیاد بنائیں تو بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے کیونکہ ہر فرقہ اپنے مطلب کی حدیثیں بیان کر دیتا ہے۔ انہوں نے یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی کہا کہ مسلمانوں کے درمیان جو فرقے بن گئے ہیں، ان کے درمیان مذاکرات کے لیے اہل قبلہ کے بجائے کوئی اور اصطلاح استعمال کی جائے تو بہتر ہوگا۔

مولانا ضیاء الرحمان علیمی کے نزدیک قادیانیوں اور بہائیوں سے بھی کلمہ سواء کی بنیاد پر مکالمہ کا جواز پیدا ہوتا ہے۔

یہ سوال جب مولانا ذیشان رضا مصباحی سے پوچھا گیا تو اصولی طور، پر پروفیسر علی محمد نقوی کی تعریف سے اتفاق کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ فقہاء کا طریقہ تحفظی ہے۔ وہ کفر کی لسٹ بناتے ہیں کہ جو یہ کرے، وہ کافر وہ، کرے تو کافر، جبکہ متکلمین کی اپروچ زیادہ مناسب ہے جن کی رائے ہے کہ جو ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرے، وہ مسلمان ہوگا۔

ڈاکٹر عبدالرؤف نے کہا کہ میرا اعلا سے سوال ہے کہ اگر کسی کے اندر اجتہاد کی صلاحیت ہے تو کیا وہ اجتہاد کر سکتا ہے؟ انہوں نے مزید کہا کہ امت عالمی طور پر پروپیگنڈے کا بھی شکار ہے، اس پر بھی ہماری نظر ہونی چاہیے۔

سنی تھیولوجی کے چیئرمین مفتی زاہد صاحب نے فرمایا کہ اصول دین میں شیعہ وسنی دونوں مشترک ہیں۔ جہاں تک قیاسی مسائل کی بات ہوتی ہے تو وہ لازمی نہیں ہوتے، انفرادی ہوتے ہیں۔ البتہ ہمیں مسائل میں تشدد نہیں برتنا چاہیے۔

پروفیسر مبارک علی نے رائے دی کہ تاریخی اسلام میں Rebuild کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے کہا کہ ہم اس کانفرنس کے روحِ رواں راشد شاز کی دردمندی کو سمجھیں اور اپنے دل میں یہی درد لے کر جائیں۔

پروفیسر علی محمد نقوی کی رائے تھی کہ ہمیں اسلامی فکر میں موجود کثرت کا اعتراف کرتے ہوئے وحدت ملی قائم کرنی چاہیے کیونکہ چودہ سو سال کے تاریخی سفر میں جو فرقے اور مسالک بن گئے ہیں، نہ تو ان کو ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی ایک مسلک پر سب کو لایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد زکی کرمانی مدیر ''آیات'' نے طلبہ وطالبات کو خاص طور پر مشورہ دیا کہ ہم کو قرآن پاک سے براہ راست مربوط ہونا چاہیے اور اسی سے اپنے مسائل کا جواب مانگنا چاہیے۔

اس سیشن میں برج کورس کے کئی طلبہ وطالبات عائشہ، آرزو فاطمہ، روشنی امیر، سرور عالم، شرافت ندوی، ارشد احمد وغیرہ نے بہت اختصار کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مترجم قرآن اور کئی کتابوں کے مصنف جناب سکندر احمد کمال اور وکیل خالد احمد نے بھی مختصراً اس موضوع پر گفتگو کی۔

اس سیمینار کی مجموعی اپروچ لکیر سے ہٹ کر اور غیر روایتی انداز میں سوچنے کی تھی۔ عام سیمیناروں میں لوگ اپنے اپنے پیپر پڑھ کر چلے جاتے ہیں، گھسی پٹی باتیں دہراتے ہیں جن پر کوئی سوال جواب اور بحث ومباحثہ نہیں ہوتا۔ اس سیمینار میں شرکاء اور حاضرین نے کھل کر ہر چیز پر بحث کی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ایک نشست میں پیچیدہ مسئلے حل ہو جائیں، تاہم اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگوں میں غیر روایتی طور پر سوچنے کی اور غور وفکر کرنے کی عادت پروان چڑھے گی۔ ایک Rational اور حقیقت پسندانہ رویہ ترقی پائے گا۔ اِس کانفرنس کی یہی سب سے بڑی دین امت کو ہوگی جس کی وہ موجودہ بحرانی دور میں سب سے زیادہ محتاج ہے۔ ضرورت اس کا فولواپ کرنے اور اس قسم کے مذاکرات زیادہ سے زیادہ کرنے کی ہے۔

© rasailojaraid.com